رسائل و مسائل

حضرت لُوط علیہ السلام کے واقعہ کی توجیہ

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کی جو سرگذشت سورۂ حجر، سورۂ ہودؑ اور بعض دوسری سورتوں میں بیان ہوئی ہے اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب ان کے گھر وارد ہونے والے خوبصورت مہمانوں کو ان کی قوم کے بدکار اور نابکار لوگوں نے دیکھا تو وہ نہایت ناپاک ارادے سے ان کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ان کی رسوائی کے درپے ہوئے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت پریشانی کے عالم میں ان بدکار لوگوں کو مخاطب کر کے جو الفاظ فرمائے وہ سورہ حجر میں یوں نقل ہوئے ہیں۔ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (اس نے کہا یہ میرے مہمان ہیں تو تم مجھے رسوا نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، وہ بولے کہ کیا ہم نے تمہیں دوسروں کو اپنے ہاں بلانے سے روکا نہ تھا؟ اس نے کہا یہ میری لڑکیاں ہیں، اگر تم کچھ کرنے والے ہو)۔

ایک رفیق نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ قرآن میں یہ بات نہایت اجمال کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور تم نے بھی اپنے ایک مضمون مندرجہ ترجمان القرآن جلد ۶۴ عدد ۴ میں اس کی طرف ایک سرسری اشارہ ہی کر کے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ تمہارا اجمال قرآن کے اجمال سے بھی زیادہ ہے جس سے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس کی پوری وضاحت ہونی چاہیے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ یہ میری لڑکیاں ہیں، اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو؟"

جواب

حضرت لوط علیہ السلام کے اس قول کی چند توجیہیں سامنے آتی ہیں:

ایک تو یہ کہ یہ بات انہوں نے انتہائی اضطرار اور مجبوری کے عالم میں فرمائی ہو جب انہوں نے دیکھا ہو کہ اب اپنے مہمانوں کو ان کمینہ لوگوں سے بچانے کی کوئی تدبیر بھی باقی نہیں رہ گئی ہے تو خدا کے بھروسہ پر اپنا سب کچھ بازی پر لگا دینے کے لیے تیار ہو گئے ہوں کہ شاید ادھر سے ان سے نجات پانے کی کوئی راہ نکلے۔

دوسری یہ کہ انہوں نے بحیثیت ایک بزرگ قوم کے ان غنڈوں کو یہ نصیحت فرمائی ہو کہ بجائے یہ ذلیل اور رسوا کن حرکت کرنے کے وہ اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے عورتوں کی طرف توجہ کریں۔ اور "بناتی" سے ان کی مراد اپنی صاحبزادیاں نہ ہوں بلکہ قوم کی بیٹیاں ہوں۔

تیسری یہ کہ انہوں نے اپنی ہی صاحبزادیوں کو پیش تو کیا ہو لیکن نکاح کے لیے نہ کہ سفاح کے لیے۔

ان میں سے آخری دو توجیہیں عام طور پر تفسیر کی کتابوں میں ملتی ہیں لیکن میرا دل ان پر نہیں جمتا۔ جہاں تک آپ کی صاحبزادیوں کا تعلق ہے جس طرح ان کے سفاح کے لیے پیش کیے جانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ایسے غنڈوں کے آگے، جب کہ وہ کافر بھی ہوں، ایک پیغمبر باپ کی طرف سے ان کا نکاح کے لیے بھی پیش کیا جانا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے قوم کے بزرگ کی حیثیت سے ان اشرار کو قضائے شہوت کے لیے طبقۂ نسواں کی طرف توجہ دلائی ہو اور ھٰؤلاء بناتی سے انہوں نے اپنی لڑکیوں کے بجائے قوم کی لڑکیوں کو مراد لیا ہو تو مجھے یہ توجیہ بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ اولاً تو ھٰؤلاء بناتی کا یہ مفہوم لینا صریح تکلف ہے، ثانیاً اس کے جواب میں پھر اشرار کے اس قول کا کیا مطلب ہو گا کہ قالوا لقد علمت ما لنا فی بناتك من حق (وہ بولے کہ تم تو جانتے ہی ہو کہ تمہاری لڑکیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے) اگر مراد قوم کی لڑکیاں ہوتیں تو ان کے اندر تو شادی بیاہ کرنے کا ان کو حق حاصل تھا اور وہ اس حق کو استعمال بھی کرتے تھے، غیر فطری رجحان کے غلبہ کے باوجود وہ شادی بیاہ سے تو یک قلم دستبردار نہیں ہو گئے تھے؟ نیز حضرت لوط علیہ السلام کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہو گا کہ ان کنتم فاعلین (اگر تم کچھ کرنے ہی پر تل گئے ہو) اس سیاق و سباق میں تو اس فقرہ کا کوئی مطلب باقی نہیں رہتا۔

اب رہی پہلی توجیہ تو اس کا ایک محمل ضرور سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے یہ بات انتہائی مجبوری اور اضطرار کے عالم میں جیسا کہ حضرت کے ارشاد سے خود واضح ہے، محض قوم کی اخلاقی حس بیدار کرنے اور ان کو ہوش میں لانے کے لیے فرمائی ہو۔ مقصود ان کا صاحبزادیوں کو پیش کرنا نہیں بلکہ یہ تھا، کہ بدکاری کے نشہ میں سرشار لوگ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ہمارے اندر ایک تو یہ غیرت مند اور شریف انسان ہے جو اپنے مہمانوں کے ناموس کے لیے خود اپنا ناموس بھی خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہوگیا ہے اور اسی بستی میں ہم ایسے نابکار بھی ہیں کہ اس کے مہمانوں کے ناموس کے درپے ہیں۔ اس طرح کی قربانی اور جانبازی بسا اوقات بڑے بڑے بدمستوں کی آنکھیں بھی کھول دیتی ہے۔ فرض کیجیے کچھ پاجی لوگ کسی شریف اور وفادار آدمی کے پڑوسی پر اس کو قتل کر دینے کے ارادہ سے پل پڑیں یا اس کے بیوی بچوں کے ناموس کے درپے ہو جائیں اور وہ شریف ان سے یہ التجا کرے کہ بھائیو! اگر تم اس کو قتل کرتے یا اس کا ناموس لوٹنے ہی کے درپے ہوگئے ہو تو اس سے پہلے میرا گھر جلا دو اور میرے عزت و ناموس کو برباد کر لو تو اس سے اس کا مقصود فی الواقع یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ اپنا ناموس ان کی نذر کر رہا ہے بلکہ اس طرح وہ مخاطب کی اخلاقی حس کو بیدار کرنا چاہتا ہے اور اگر مخاطب کے اندر نیکی اور خدا ترسی کی ادنیٰ رمق بھی باقی ہوتی ہے تو وہ کم از کم ایک مرتبہ سوچنے پر تو مجبور ہو ہی جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی طرح کے حالات اور اسی قسم کے مقصد کے تحت حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا اور اس امید کے ساتھ فرمایا ہوگا کہ جب میں اپنے مہمانوں کے ناموس کی حفاظت کے لیے یہ آخری بازی بھی کھیل جاؤں گا تو کیا عجب ان لوگوں کے اندر کچھ شرم و غیرت پیدا ہو جائے اور اگر ان لوگوں کے اندر شرم و غیرت نہ پیدا ہوئی تو امید ہے کہ میرا رب میری مدد فرمائے گا اور میرے مہمان اور میرے اہل و عیال ان شریروں کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان کی قوم کے اشرار کے دل تو ان کے دلدوز فقروں سے نرم نہیں ہوئے لیکن اپنے رب سے جو امید انہوں نے باندھی تھی وہ پوری ہوئی یعنی قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوگیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے صاحب ایمان اہل بیت کو خدا نے اپنے فرشتوں کی حفاظت میں ان کے

دارالہجرت میں پہنچا دیا۔

قرآن میں اس واقعہ کے بیان میں جو اجمال ہے وہ ایک حکیم کے کلام کے شایانِ شان ہے۔ اس کے ہر اجمال کے اندر معارف کے خزانے ہیں۔ لیکن اگر میرے کلام میں کہیں اغلاق و ابہام یا کسی قسم کا سوءِ تعبیر ہے تو وہ محض میری قلتِ علم کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی رفیق کو میری عبارت سے کوئی الجھن ہوئی ہے تو اس کی ذمہ داری قرآن حکیم پر نہیں بلکہ تنہا مجھ پر ہے۔ رب کریم و رحیم میری ہر لغزش کو معاف فرمائے۔　　(ا۔ا۔ا)

ائمۂ اربعہ و اہلِ بیت

سوال۔ جناب کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ ائمۂ اربعہ کے علوم کی انتہا ائمۂ اہلِ بیت تک ہوتی ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ سب ان ہی حضرات کے شاگرد تھے۔ خاصکر حضرت امام اعظمؒ کو حضرت جعفر صادق سے شرفِ تلمذ و شاگردی حاصل تھا جو علی العموم صاحبانِ علم بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم بجائے دیگر ائمہ کے ائمۂ اہلِ بیت کی براہِ راست پیروی کریں اور بجائے شاگرد کے استاذ کی اقتداء و تقلید کریں تو ہم میں شائبۂ تشیع تو پیدا نہ ہو گا۔ بینوا توجروا

جواب ۔ ائمۂ اربعہ نے ان تمام اہلِ علم سے استفادہ کیا ہے جو ان کے عہد میں موجود تھے اور جن سے استفادہ کرنا ممکن تھا۔ ان میں اہلِ بیت بھی تھے اور غیر اہلِ بیت بھی۔ صرف اہلِ بیت سے علمی استفادہ کرنے کا طریقہ تو خود اہلِ بیت نے بھی اختیار نہ کیا تھا۔ وہ بھی جس جس کے پاس علم پاتے تھے اس سے استفادہ کرتے تھے۔ یہی ہر اُس شخص کا طریقہ ہونا چاہیے جو کسی طرح کے تعصب میں مبتلا نہ ہو۔　　(ا۔م)

مباہلہ و مناظرہ

سوال - میرے ایک عزیز نے جو ایک دینی مدرسے کے فارغ ہیں، مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ مولانا مودودی دعوتِ مباہلہ و مناظرہ کو کیوں قبول نہیں کرتے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہود سے مباہلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اور انبیاء و سلف صالحین بھی مناظروں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ مخالفین بار بار آپ کو چیلنج کرتے ہیں لیکن آپ اُن سے نہ مباہلہ کرتے ہیں اور نہ ہی مناظرہ کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

مَیں نے اپنی حد تک اپنے عزیز کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے اور اُن سے کہا ہے کہ ہر مباہلے یا مناظرے کی دعوت قبول کرنا فرض یا سنت نہیں ہے۔ تاہم اگر آپ بھی اس بارے میں اپنا عندیہ بیان کر دیں تو وہ مزید موجبِ اطمینان ہوگا۔

جواب - آپ کے جن عزیز نے فرمایا ہے کہ آنحضورؐ نے یہود سے مباہلہ کا فیصلہ فرمایا تھا ان کی معلومات ناقص ہیں۔ مباہلہ کا فیصلہ حضورؐ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور یہ مباہلہ یہود سے نہیں بلکہ عیسائیوں سے کیا گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں مباہلہ کا صرف یہی ایک واقعہ ملتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے مباہلے کو نزاعی امور کے فیصلے کا مستقل حل قرار نہیں دیا ہے کہ جب کبھی کسی کافر یا مسلمان سے کسی قسم کا اختلاف ہو تو فوراً مباہلے کی دعوت دے ڈالی جائے۔ پیشہ ور مناظرین نے آجکل مباہلے کو کُشتی کے داؤں میں باضابطہ طور پر شامل کر لیا ہے لیکن پوری تاریخ اسلام میں مباہلہ کی دعوت دینے اور اُسے قبول کرنے کی مثالیں مشکل ہی سے مل سکیں گی۔ صحابۂ کرام میں بڑے بڑے اختلافات ہوئے، حتیٰ کہ بعض اوقات لڑائیوں تک کی نوبت آئی لیکن مباہلہ کرنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آئی ہے۔ تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے، بڑے بڑے مسائل پر بحثیں بھی ہوئیں لیکن مباحثہ کے بجائے مباہلہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بعد کے زمانوں میں بھی علماء کے مابین اختلافِ رائے کا ظہور ہُوا، تکفیر و تفسیق کا بازار بھی گرم ہُوا لیکن مباہلے کو کبھی کسی نے اپنا معمول نہیں بنایا۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے مخالفین کثیر تعداد میں موجود تھے، یہود، نصاریٰ، منافقین ہر ایک نے قدم قدم پر آپ کی مخالفت کی مگر ایک نجران کے نصاریٰ کے سوا اور کسی سے مباہلہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ مباہلہ ایک استثنائی طریق کار تھا جسے بعض خاص وجوہ و حالات کی بنا پر صرف نجران کے عیسائیوں کے معاملے میں خود اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا تھا[1] اور یہ مسائل کے تصفیے کا کوئی مقرر قاعدہ و ضابطہ نہیں ہے جسے ہمیشہ ہر متنازع فیہ معاملے میں اختیار کیا جا سکے۔ نجران کے معاملے میں جو خاص طور پر یہ شکل اختیار کی گئی اس کی ایک وجہ جو احادیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نجران کے تین دینی پیشوا جو وفد کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے وہ اپنے دلوں میں آپ کی نبوت کے قائل اور معترف ہو چکے تھے، لیکن صرف اپنی قوم میں اپنا وقار برقرار رکھنے کے لیے ایمان لانے سے پرہیز کر رہے تھے۔ سفر کے دوران میں ان میں سے جب ایک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ناشائستہ الفاظ اپنی زبان سے نکالے تو دوسرے نے فوراً ٹوک دیا اور کہا کہ اس شخص (رسول اللہ صلعم) سے متعلق نازیبا کلمات استعمال نہ کرو کیونکہ یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں پیشنگوئیاں ہماری کتابوں میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ علم غیب کی بنا پر ان کے دلوں کا چور معلوم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لوگ اس دلی اعتراف کے بعد مباہلے کی دعوت قبول کرنے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ کر اپنے اوپر لعنت مسلط کرنے کی جرأت کبھی نہیں کریں گے، اس لیے ان کی باطنی کیفیت کو بے نقاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل تجویز فرمائی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ وہی نکلا۔ وفد نجران نے مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور ان کا کذب و نفاق بالکل عیاں ہو گیا۔

آپ کے عزیز نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ میں مناظرہ کیوں نہیں کرتا حالانکہ انبیاء و صلحاء اپنے مخالفین سے مناظرے کرتے رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مناظرہ یا مجادلہ صرف بحث و استدلال کی حد تک محدود تھا اور آجکل عرف عام میں جس چیز کو مناظرہ کہا جاتا ہے اس کی نوعیت مرغ بازی کی سی ہے۔ معقول طریق پر اگر کوئی آدمی کسی مسئلے پر زبانی یا تحریری بحث کرے تو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوتا اور اگر ممکن اور ضروری سمجھوں تو ایسی بحث میں حصہ بھی لے لیتا ہوں لیکن پیشہ ور اور جھگڑالو مناظر بازوں سے جو پنجیں لڑانا میرا کام نہیں ہے۔ یہ مشغلہ جن لوگوں کو زیب دیتا ہے وہ بخوشی اسے اختیار کیے رکھیں۔ (ا۔م)

---

[1] اس سلسلے میں یہ امر بھی زیر نظر رہنا چاہیے کہ مباہلہ کا یہ واقعہ انتہائی سنجیدگی کی فضا میں ہوا تھا۔ اس میں وہ حاضر کے مباہلوں اور مناظروں کی سی غوغا آرائی اور دھینگا مشتی ہرگز نہ تھی۔ حضورؐ کی دعوت مباہلہ بڑے ہی خیر خواہانہ اور دردمندانہ جذبات کی فضا اپنے اندر لیے ہوئے تھی۔ آج جو دنگل رچانے کا طریقہ چل پڑا ہے اس کو پیغمبر کی سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ا۔ص)